

حکمت اقبال (۱۱)

سائنس کی مادیات کو پہلا چیلنج

سائنس کی مادیات پر سب سے پہلے جس فلسفی نے شدید اعتراضات کیے وہ انگلستان کا لبشپ جارج برکلی تھا جس نے کہا کہ مادی دنیا اپنی کوئی جدا ہستی نہیں رکھتی کیونکہ ہم اسے فقط حواس کے ذریعہ سے جانتے ہیں، اور یہ جاننا شعور کے بغیر ممکن نہیں چونکہ ہمارے شعور سے باہر مادہ کی کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہو سکتا اس لیے جو چیز حقیقتاً موجود ہے وہ شعور ہے نہ کہ مادہ حواس کے ذریعہ سے ہمیں جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے وہ مادہ نہیں بلکہ فقط رنگ، صورت، شکل، آواز، نرمی اور سختی وغیرہ مختلف اوصاف ہیں اور ان اوصاف کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ شعور ان کا احساس کرے اور شعور کے بغیر ان میں سے کوئی چیز بھی موجود نہ ہو سکے گی۔ پس مادہ کی حقیقت فقط شعور ہے۔ برکلی اپنے نظریہ کی روشنی میں ایک غیر فانی ابدی شعور کی ہستی کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیل قائم کرتا ہے وہ اس طرح کی ہے:

”آسمان کے تمام ستارے اور زمین کی تمام چیزیں مختصر یہ کہ وہ تمام اشیاء جو اس کائنات کی ترکیب میں حصہ لیتی ہیں شعور کے بغیر کوئی وجود نہیں رکھتیں اگر میں ان کا احساس نہ کروں یا اگر وہ میرے یا کسی اور مخلوق ہستی کے شوکے نہ موجود نہ ہوں تو پھر مایوان کا کوئی وجود ہی نہیں یا ان کا وجود کسی ابدی شعور کے علم میں ہے۔“

نو تصوریت

برکلے کی اس تصوریت کو اس زمانے میں ایک جدید فلسفہ سے جسے نو تصوریت کہنا چاہیے اور جس کے شارحین اٹلی کے دو فلسفی کروپے اور جینیلے ہیں، بہت مضبوط سہارا مل گیا ہے۔ یہ دونوں فلسفی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کائنات روح اور شعور کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کا فلسفہ نہ صرف زمانہ کے لحاظ سے جدید ترین ہے بلکہ بہت سے حکماء کے خیال کے مطابق موجودہ زمانہ کے فلسفوں میں ایک نہایت ہی اچھا اور اثر انگیز فلسفہ ہے۔ یہ فلسفہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ہمارے شعور کا احساس ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی حقیقت کے بارے میں ہمیں یقین ہو سکتا ہے۔ اس مفروضہ سے استدلال کرتے ہوئے ہم اس فلسفیانہ نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر کائنات کی حقیقت کو فی ایسی چیز ہے جسے ہم جان سکتے ہیں تو وہ لامحالہ ہمارے شعوری تجربہ یا احساس کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے اور چونکہ خود شعوری ہمارا واضح ترین احساس ہے، اس لیے مادی کائنات کی حقیقت بھی لازماً ایک اعلیٰ قیام کی خود شعوری ہے۔

اقبال کی تنقید

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انیسویں صدی کے ماہرین طبعیات کے لیے اس قسم کے خیالات کو قبول کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ ایسا کرنے سے قائم بالذات ازلی اور ابدی میکانیکی قوی کے طور پر ان کے مادی قوانین کی بنیادیں اکھڑ جاتی تھیں ان قوانین کی بنیاد یہ عقیدہ تھا کہ مادہ کا اپنا خارجی وجود ہے جو شعور کے افعال اور خواص پر ہرگز موقوف نہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

”طبعیات ایک تجرباتی علم ہے جو ہمارے حسی تجربات سے بحث کرتا ہے۔ ماہر طبعیات کی تحقیق و تجسس کا آغاز و انجام محسوس مظاہر قدرت سے تعلق رکھتا ہے جن کے بغیر وہ اپنے فریاد کیے ہوئے حقائق کی صداقت کا امتحان نہیں کر سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ غیر مادی اشیاء مثلاً جواہر کو بھی اپنے مفروضات میں داخل کرتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بغیر وہ اپنے حسی تجربات کی تشریح نہیں کر سکتا۔ گویا طبعیات کا علاقہ فقط مادی دنیا کا مطالعہ کرتا ہے جسے ہم اپنے

حواس کی مدد سے جان سکتے ہیں۔ یہ مطالعہ جن ذہنی اعمال و افعال پر یا جن روحانی یا جہالیاتی احساسات و تقریبات پر موقوف ہے، اگرچہ وہ سب مل کر ہمارے تجربہ کی پوری وسعت کا ایک عنصر ہیں تاہم وہ طبعیات کے دائرہ تحقیق سے خارج تصور کیے جاتے ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ طبعیات کا مطالعہ مادی کائنات تک یعنی کائنات کے اس حصہ تک جس کا مشاہدہ ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں، محدود ہے۔ لیکن جب میں آپ سے پوچھوں کہ آپ مادی دنیا کی کون سی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ اپنے ارد گرد کی معروف اشیاء کا ذکر کریں گے مثلاً زمین، آسمان، پہاڑ، کرسیاں، میز وغیرہ۔ جب میں آپ سے مزید یہ سوال کروں کہ ان اشیاء میں سے آپ خاص کر کس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ کا جواب فوراً یہ ہوگا کہ ان کی صفات و خصوصیات کا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم اپنے حواس کی شہادت کی حقیقت کا ایک تصور قائم کرتے ہیں۔ اس تصور کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء اور ان کے اوصاف الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہ دراصل حقیقت مادہ کا ایک نظریہ ہے یعنی محسوسات کی حقیقت اور ادراک کرنے والے شعور کے ساتھ ان کے تعلق اور ان کے بنیادی اسباب کا نظریہ۔ مختصر طور پر یہ نظریہ حسب ذیل ہے۔

محسوسات (رنگ۔ آواز) ادراک کرنے والے ذہن کی حالتیں ہیں اور لہذا اگر قدرت کو خارج میں وجود رکھنے والی کوئی چیز قرار دیا جائے تو یہ قدرت کے دائرے میں نہیں آتیں۔ اس بنا پر وہ کسی محقول معنوں میں مادی اشیاء کی صفات نہیں ہو سکتیں۔ جب میں یہ کہوں کہ آسمان نیلا ہے تو میرا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ آسمان میرے ذہن میں نیلا ہٹ کا ایک احساس پیدا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ نیلا ہٹ ایک صفت ہے جو آسمان میں پائی جاتی ہے۔ ذہنی حالتوں کی حیثیت سے وہ تاثرات ہیں یعنی کچھ ایسے نتائج جو ہماری ذات میں نمودار ہوئے ہیں، ان نتائج کا سبب مادہ ہے یا مادی چیزیں ہیں جو ہمارے تخی اعصاب اور دماغ کے ذریعہ سے ہمارے شعور پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ مادی سبب چھونے یا کمانے سے عمل کرتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس میں صورت، حجم، ٹھوس پن اور حرکت کی صفات موجود ہوں۔

پہلا فلسفی جس نے اس نظریہ کی تردید کا کام اپنے ذمہ لیا کہ مادہ ہمارے حسی تجربات کا ایک نامعلوم سبب ہے، برکلی (BERKELEY) تھا۔ ہمارے زمانہ میں واٹس ہیڈ نے جو ایک ممتاز ماہر ریاضیات اور سائنس دان ہے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ مادیت کا مروج نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کی رُو سے رنگ و آواز وغیرہ فقط ذہنی حالتیں ہیں اور قدرت کا کوئی جزو نہیں، انکسائیڈ کان میں جو چیز داخل ہوتی ہے وہ رنگ یا آواز نہیں بلکہ وہ ایٹھر (ETHER) کی ناقابل دید امواج یا ہوائی ناقابل شنید لہریں ہیں۔ قدرت وہ نہیں جو ہم اسے سمجھتے ہیں بلکہ اور کات سراب کی طرح ہیں اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ وہ قدرت کی صحیح بے نقابی کرتے ہیں۔ قدرت خود اس نظریہ کے مطابق دو جھٹوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک ہمارے ذہنی تاثرات اور دوسرے وہ خارجی ناقابل فہم اور ناقابل امتحان موجودات جو ان تاثرات کو پیدا کرتے ہیں۔ اگر طبیعیات فی الواقع مُدِک اور معلوم اشیاء کا کوئی مربوط اور صحیح علم ہے تو مادہ کا مروج نظریہ ترک کر دینا ضروری ہے اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ ہمارے حواس کی شہادتوں کو جن پر ایک ماہر طبیعیات جو تجربات و مشاہدات سے سروکار رکھتا ہے کئی انحصار کرنے پر مجبور ہے، مشاہدہ کرنے والے کے ذہنی تاثرات سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ یہ نظریہ قدرت اور قدرت کا مشاہدہ کرنے والے کے درمیان ایسی خلیج حائل کر دیتا ہے جسے پانے کے لیے اسے اس مشکوک مفروضہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے کہ یہاں کوئی ایسی نامعلوم چیز موجود ہے جو گویا بیسٹ فضا کے ایک برتن میں پڑی ہے اور کسی خاص قسم کے محرک کے نتیجے کے طور پر ہمارے احساسات کو پیدا کرتی رہتی ہے۔ پروفیسر واٹس ہیڈ کے الفاظ میں یہ نظریہ قدرت کے ایک حصہ کو محض ایک خواب اور دوسرے حصہ کو محض ایک "اٹکل" بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اس طرح سے طبیعیات اپنی بنیادوں پر تحقیق کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر اس بات کی معقول وجہ پاتی ہے کہ اپنے ہی تراشے ہوئے بُت کو آپ ہی توڑ ڈالے۔ اس طرح سے تجرباتی نقطہ نظر جو شروع میں گویا حکمیاتی مادیات کو ضروری قرار دے رہا تھا، آخر کار مادہ کے خلاف بغاوت پر ختم ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ چونکہ اشیاء ایسی ذہنی حالتیں نہیں جو کسی نامعلوم چیز سے جسے ہم مادہ کا نام دیتے ہیں پیدا ہو رہی ہیں لہذا وہ سچ مح کے مظاہر قدرت ہیں جو قدرت کی حقیقت

ہیں اور جن کو ہم بالکل اسی طرح سے جانتے ہیں جیسا کہ وہ فی الواقع قدرت کے اندر موجود ہیں :

سائنسدانوں کے نئے تصورات

جب برکلی نے نیوٹن (NEWTON) کے طبعیاتی قوانین پر سب سے پہلے اعتراض اٹھایا تو سائنسدانوں نے ایک نفرت آمیز مظن و تشنیع کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ کسے خبر تھی کہ اس بحث میں کہ آیا مادہ حقیقی ہے یا شعور فلسفی جلد ہی سائنسدانوں پر غالب آجائیں گے اور وہ بھی سائنسدانوں کی اپنی ہی تحقیقات و انکشافات کی بدولت فلسفی تو مدت سے کائنات کی ایک ایسی تشریح پر متمرکز تھے جو حقیقت شعور پر مبنی تھی۔ اگر ان کا نقطہ نظر عام قبولیت حاصل نہ کر سکتا تھا تو اس کی وجہ فقط سائنس ہی کی رکاوٹ تھی۔ لیکن اب بیسویں صدی کی سائنس کے انکشافات جن میں نظریہ اضافیت، نظریہ ٹرم اور عالم حیات کے بعض حقائق شامل ہیں یہ رکاوٹ دور کر دی ہے۔ طبعیات جدید کی تحقیقات نے مادہ کو (جو کسی وقت ٹھوس مادہ اور روشن حقیقت کا درجہ رکھتا تھا) اور اس کے ساتھ قوت، حرکت، فاصلہ، وقت اور ایٹم کو محض لاشی میں بدل دیا ہے واکٹر جوڈ (JOAD) کے الفاظ میں :

”جدید مادہ ایک ایسی بے حقیقت چیز ہے جو ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہ فاصلہ اور وقت کے مرکب کا ایک ابھار، برقی رو کا ایک جال یا اسکان کی ایک لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے اندر کھو جاتی ہے۔ اکثر اوقات اسے مادہ کی بجائے دیکھنے والے کے شعور کا ہی ایک پھیلاؤ سمجھا جاتا ہے۔“
 واکٹر اقبال لکھتے ہیں :

”لیکن مادہ کے تصور کو جس شخص نے سب سے بڑی ضرب لگائی ہے وہ ایک اور ممتاز ماہر طبعیات حکیم آئنسٹائن (EINSTEIN) ہے جس کے انکشافات نے نوع بشر کی علمی دنیا کے اندر ایک دور رس انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔ رسل (RUSSEL) کہتا ہے ”نظریہ اضافیت نے ’وقت‘ کو ’فاصلہ‘ وقت میں مدغم کر کے مادہ کے قدیم تصور کو فلسفیوں کے تمام دلائل سے بڑھ کر شکستہ کیا ہے۔ عقل عام کے نقطہ نظر سے مادہ ایک ایسی چیز ہے جو مرد و وقت سے نہیں بدلتا اور فضا میں حرکت کرتا ہے لیکن اضافیت کی تہ

طبیعیات کی رُو سے یہ نظریہ بے بنیاد ہو گیا ہے۔ اب مادہ کا کوئی جزو ایک ایسی قائم بالذات شے نہیں جس کی فقط حالتیں بدلتی رہیں بلکہ وہ ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے متعدد واقعات کا ایک نظام ہے۔ مادہ کا وہ پرانا ٹھوس پن جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام خاصیات بھی جاتی رہی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک فلسفی کو گریز یا خیالات سے زیادہ حقیقی نظر آتا تھا۔
 پروفیٹر وٹھر سے (ROUGHIER) نظریہ اضافیت سے پیدا ہونے والے نتائج پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب ”فلسفہ اور طبیعیات جدید“ میں لکھتا ہے:

”اس طرح مادہ الیکٹرانوں (ELECTRONS) میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خود لطیف لہروں کی صورت اختیار کرتے ہوئے فنا ہو جاتے ہیں۔ گویا مادہ کا مستقل نقصان اور قوت کا ناقابلِ تلافی انتشار عمل میں آتا ہے۔ دوام مادہ کے اس ہر گیر اصول کی بجائے جو سائنسدانوں نے سائنس کی بنیاد قرار دیا تھا اور جو اسے قابلِ فہم بناتا تھا یعنی ”نہ تو کوئی چیز وجود میں آتی ہے اور نہ فنا ہوتی ہے“ اب ہمیں یہ تضاد اصول وضع کرنا چاہیے کہ کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، ہر چیز فنا ہو جاتی ہے نہ دنیا ایک آخری بربادی کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہے اور ایتھر جس کے بلے میں ناحتی یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ وہ کائنات کا سہارا ہے، کائنات کی آخری قربانیت ہوئی ہے۔“

ڈاکٹر ہیری شمٹ (HARRY SCHMIDT) نے اپنی کتاب ”اضافیت اور کائنات میں یہ بتاتے ہوئے کہ نظامِ عالم میں نظریہ اضافیت کے داخل ہونے کے بعد کائنات کی کیفیت کیا ہوئی ہے بڑے مایوسانہ انداز میں لکھا ہے:

”فاصلہ اور وقت بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ خود حرکت بے معنی ہو گئی ہے۔ اجسام کی شکل و صورت ہمارے فقط نظر پر موقوف ہو گئی ہے اور کائنات کی ایتھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی ہے۔ افسوس کہ تم نے خوبصورت دنیا کو ایک شدید ضرب کے ساتھ برباد کر دیا ہے اب یہ ٹوٹ چھوٹ چکی ہے اور اس کے ٹکڑے منتشر کر دیئے گئے ہیں۔ اب ہم ان ٹکڑوں کو فنا کے سپرد کرتے ہیں اور بڑے درد کے ساتھ اس حسن کا ماتم کرتے ہیں جو تباہ ہو گیا ہے۔“

مادہ کی اصل

لیکن اگر مادہ حقیقی اور پائیدار نہیں تو پھر مادہ کی عدم موجودگی میں ہم مخلوقات کی اس بوقلمونی اور زنگارنگی کی وجہ کیا بنا سکتے ہیں جس میں جا بجا حسن کار، بُہتر، مدعا، تناسب، ہم آہنگی اور بے لختا ریاضیاتی ذہن کے اوصاف کارفرما نظر آتے ہیں۔ یقیناً یہ سب شعور ہی کے اوصاف ہیں لہذا شعور ہی کائنات کی آخری حقیقت ہے جس سے دنیا جگمگا رہی ہے۔ مادہ کے فانی ہونے کے بعد اب اس نظریہ کے لیے کہ کائنات کی آخری حقیقت شعور ہے نہ صرف راستہ صاف ہو گیا ہے بلکہ اب اس نظریہ کے تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔ آج شعور کو کائنات کی حقیقت قرار دینا عقلی طور پر اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ انیسویں صدی میں یہ ماننا ضروری تھا کہ کائنات فقط مادہ سے جہی ہے فلسفہ تواپنی ساری تاریخ میں سائنس کی تائید کے بغیر بلکہ سائنس کی مخالفت کے باوجود کائنات کی روحانی توجہ پر اصرار کرتا رہا ہے اور فلسفہ کا یہ نظریہ قدیم سائنس کے مادیاتی نظریہ سے کسی طرح کم معقول یا کم قابل قبول نہیں تھا لیکن اب سائنس بھی اس کی تائید میں وزن دار شہادت پیش کر رہی ہے چونکہ مادہ بے حقیقت اور فانی ثابت ہوا ہے لہذا طبیعیات کے ماہرین محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب وہ مادہ کی دنیا کے اندر محدودہ کر طبیعیات کے مسائل کو حل نہیں کر سکتے اور مجبور ہیں کہ مادہ کی دنیا سے آگے نکل کر صداقت کی جستجو کریں کیونکہ اب مادہ کی حقیقت مادہ سے پرے کی دنیا میں ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان اور یورپ کے بہت سے ماہرین طبیعیات مثلاً ریڈنگٹن، جینز، واسٹ بیڈ، آئن سٹائن، شرودنگر اور پلانک مادی دنیا کی حقیقت کی وضاحت روحانی نقطہ نظر سے پیش کر رہے ہیں اب وہ ماہرین طبیعیات ہی نہیں بلکہ ماہرین ماوراء طبیعیات بھی ہیں۔ ان سب سائنسدانوں کے دلائل اس مفروضہ کی تائید کرتے ہیں کہ کائنات کی حقیقت شعور ہے مادہ نہیں۔ جوڈ (JOD) لکھتا ہے:

”سربراہ آورہ سائنسدانوں کی نگاہ میں علم طبیعیات کی ترقی کی موجودہ منزل ایسے نتائج کی طرف راہ نمائی کر رہی ہے جو قدیم مادیات کے نتائج کے بالکل برعکس ہیں اور جو کائنات کی روحانی توجہ کی اتنی ہی پر زور تائید کرتے ہیں جتنی کہ آج سے پچاس سال پہلے نہیں۔ کائنات کی مادی توجہ کی تائید کرتی تھی۔“

نظریہ کو انکم کے موجود پر وفیسر پلانک کے ساتھ سٹر جے ڈبلیو این نلیون کی ایک گفتگو ۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء کے رسالہ آئزرو میں شائع ہوئی تھی اس میں پر وفیسر پلانک لکھتا ہے:

”میں شعور کو ایک بنیادی حقیقت سمجھتا ہوں اور مادہ کو شعور کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ ہم شعور سے آگے نہیں جاسکتے۔ ہر چیز میں کابھم ذکر کرتے ہیں یا جس چیز کو موجود تصور کرتے ہیں اس کی ہستی شعور پر مبنی ہے۔“

سر آلیویر لاج (OLIVER LODGE) لکھتا ہے:

”کائنات پر شعور کی حکومت ہے۔ خواہ یہ شعور کسی ماہر ریاضیات کا سمجھا جائے یا کسی تصور کا یا کسی شاعر کا یا ان سب کا یا ان کے علاوہ اوروں کا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ہستی کو معنی خیز بناتی ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں رونق پیدا کرتی ہے۔ ہماری امید کو بڑھاتی ہے اور جب علم ناکام رہ جاتا ہے تو یقین کے ساتھ ہمیں قوت بخشتی ہے اور تمام کائنات کو ایک ازوال محبت سے پر نور بناتی ہے۔“

جیمز جینز کا معقول استدلال

سر جیمز جینز کا استدلال یہ ہے کہ مادہ سب کا سب ریاضیاتی نسبتوں کی صورت میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ریاضیات کا دخل جس طرح ایک جوہر کی معیت ترکیبی میں نظر آتا ہے اسی طرح فلک کے نظامات میں بھی موجود ہے۔ ریاضیات کے قوانین جس طرح قریب ترین مادی اشیاء پر حاوی ہیں اسی طرح کائنات کے دور دراز حصوں پر بھی حکمران ہیں۔ لیکن ریاضیات کا علم جو ہمیں اس وقت حاصل ہے وہ کائنات کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوا بلکہ ہمارے اپنے منطقی یا عقلی استدلال سے حاصل ہوا ہے جبکہ کائنات کے مطالعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اپنی قوت استدلال کی راہ نمائی میں اپنے ہی ذہن کی پیداوار کے طور پر قوانین ریاضیات کو مرتب کرنے کے بعد جب ہم کا رخ قدرت پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ نہ صرف کائنات کی تعمیر ان قواعد کے عین مطابق ہوئی ہے بلکہ یہی قوانین اس کائنات کی آخری صورت ہیں۔ چونکہ مادہ غیر حقیقی ہے اس لیے کائنات آخر کار قوانین ریاضیات کے ایک مجموعہ کے بغیر کچھ ثابت نہیں ہوتی۔ ہم نے ان قوانین کو جو ہمارے شعور

سے باہر کی دنیا میں جاری و ساری ہیں، خود بخود کیونکر دریافت کر لیا اور پھر یہ قوانین مادی دنیا کی تعمیر میں خود بخود کیونکر کام آئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات ہماری طرح کے ایک شعور کی تخلیق ہے یہ شعور ہماری طرح ٹھیک ٹھیک ریاضیاتی یا منطقی انداز کے ساتھ سوچ سمجھ سکتا ہے پس ضروری ہے کہ خارج کی دنیا اور ہمارا اپنا شعور دونوں اسی شعور عالم نے پیدا کیے ہوں۔ سرجمیز جینز اپنی کتاب ”پراسرار کائنات“ میں لکھتے ہیں۔

کائنات کسی مادی تشریح کی تسخیر نہیں ہو سکتی اور یہی رائے میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اپنی حقیقت ایک خیال سے زیادہ نہیں۔ آج سے تیس سال پہلے ہم سمجھتے تھے یا فرض کرتے تھے کہ ہم ایک آخری ریاضیاتی حقیقت کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں کچھ دنیا بڑی حد تک اس بات پر متفق ہے اور جہاں تک علم طبیعیات کے ماہرین کا تعلق ہے، اس رائے سے اختلاف تقریباً منقود ہے، کہ علم کا دریا ایک غیر ریاضیاتی حقیقت کی طرف بہ رہا ہے۔ کائنات ایک بڑی مشین یا کل کی بجائے ایک بڑے تصور کی صورت میں نظر آنے لگی ہے۔ اب شعور کوئی ایسی چیز نہیں جو مادہ کی دنیا میں اتفاقاً داخل ہو گئی ہو بلکہ اس کی بجائے ہم یہ مان کر نے لگے ہیں کہ ہمیں شعور ہی کو مادہ کی دنیا کا خالق اور حکمران قرار دینا چاہیے۔ ہمارے اپنے شعور کو نہیں بلکہ آس شعور کو جس کے اندر وہ جو اہر جن سے ہمارا شعور صورت پذیر ہوا ہے۔ خیالات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تازہ علم ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنے پہلے تہذیبی سے قائم کیے ہوئے تاثرات پر یعنی یہ کہ ہم ایک ایسی دنیا میں اپنے لیے ہیں جو زندگی سے کچھ سرور کار نہیں رکھتی یا زندگی کے علاوہ عداوت رکھتی ہے، نظر ثانی کریں۔ اغلب ہے کہ مادہ اور شعور کی قدیم دونوں جو اس فرضی عداوت کی ذرہ دار تھی بالکل ناپید ہو جائے گی، نہ اس لیے کہ مادہ بے حقیقت ثابت ہو جائے گا یا شعور مادہ ہی کی ایک خصوصیت بن جائے گا بلکہ اس لیے کہ مٹوس اور حقیقی مادہ آخر کار شعور ہی کی ایک مخلوق یا شعور ہی کا ایک ظہور مانا جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ایک منظم اور مدبر جیسی کاپہ دیتی ہے جو ہمارے شعور کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ جس حد تک ہمیں علم ہو سکا ہے جذبات، اخلاق اور احساس کے اوصاف کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک ایسے انداز فکر کے لحاظ جسے ہم کسی بہتر لفظ سے تعبیر نہ کر سکنے کی وجہ سے دینیاتی

انداز فکر کہتے ہیں:

حیاتیات کے حقائق کی شہادت: برگسان اور ڈریش

تصور می اور نو تصور می فلاسفہ کے نظریات اور طبیعیات جدید کی شہادت کے علاوہ جن میں سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک کے اندر اس خیال کی پُرورتا مینہ موجود ہے کہ کائنات کی حقیقت شعور یا روح ہے، حیاتیات کے بعض حقائق بھی اس نتیجہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ ان حقائق کی بناء پر بعض منظم فلسفہ قائم کیے گئے ہیں جن میں سے ایک ارتقاء کے تخلیقی کا فلسفہ ہے جسے برگسان نے قریں کیا ہے۔ اور دوسرا نیوٹن کی پچی کا فلسفہ ہے جسے ڈریش نے پیش کیا ہے۔ مادیت کے حامیوں کا خیال ہے کہ زندگی مادہ کی ایک خاص حالت کے وصف کے سوا کچھ نہیں۔ جب مادہ ایک خاص کیمیائی ترکیب کو پالیتا ہے تو اس میں زندگی کی خاصیت نمودار ہو جاتی ہے۔ حیوان جو اس طرح سے وجود میں آتا ہے ایک حساس شین یا گل کی طرح ماحول کی کیفیات سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی جسمانی بناوٹ میں ایک تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ جن حوں ادوار گزرتے جاتے ہیں ماحول کی ان نوبہ نو کیفیات کے باعث جن سے حیوان کا سابقہ پڑتا رہتا ہے اس تبدیلی میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس طرح حیوانات کی نئی نئی اقسام وجود میں آتی رہتی ہیں لیکن حیاتیات کی تازہ تحقیقات اس لفظ نظر کی حمایت نہیں کرتیں۔ پروفیسر جے ایس ڈریش کا خیال ہے کہ وہ حکماء جو حیاتیات کا مطالعہ سنجیدگی سے کرتے ہیں اب اس بات کے قائل نہیں رہے کہ زندگی فقط مادہ کی کسی خاص کیمیائی ترکیب کا نتیجہ ہے۔ جس میں کے ماہر حیاتیات ڈریش (DRIESCH) کے تجربات بالخصوص اس نتیجہ پر مجبور کرتے ہیں کہ ماحول کی خارجی کیفیات سے متاثر ہونے کے باعث جو حرکات ایک زندہ انسان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ایک کل یا شین کی حرکات سے یکسر مختلف ہیں۔ کل ایک بڑی طاقت سے حرکت میں لائی جاتی ہے اور خود چند اجزاء کے مجموعہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ اس کے عکس حیوان جسم کی ایک خاص شکل و صورت حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لیے ایک اندرونی میلان کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک مجموعہ اجزاء کی طرح نہیں بلکہ ایک ناقابل تقسیم وحدت کی طرح عمل کرتا ہے جس کے اندر ایک رجحان طبعیت ایسا ہے جو اس وحدت کی ضروریات کی خبر لگتا ہے۔ اگر ہم ایک کیڑے

کی ٹانگ کاٹ دیں تو اس کی جگہ دوسری ٹانگ پیدا ہو جاتی ہے کوئی کل یا شین اپنے ٹوٹے ہوئے پرزہ کو خود بخود مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ڈریش نے ایک جنین کو اس کی نشوونما کے شروع میں تجربہ کے لیے دو حصوں میں کاٹا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک حصہ بھی نشوونما پا کر مکمل حیوان بن جاتا ہے خواہ جنین کو کہیں سے کاٹا جائے اور خواہ اس کے اس ایک حصہ کی نسبت کل کے ساتھ کچھ ہو۔ تجربہ کے نتائج میں کوئی فرق نہیں آتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خلیات (CELLS) جو ایک مکمل جنین میں نشوونما پا کر سر بننے والے ہوں ان مکمل جنین میں ٹانگ بن سکتے ہیں۔ دراصل جنین کا کوئی حصہ بڑھتے ہوئے حیوان کی ضرورت کے مطابق کسی عضو کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ڈریش لکھتا ہے "یہ عجیب کل ہے جس کا ہر حصہ ایک ہی جیسا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک حصہ کل کی حیثیت کیونکر پیدا کر لیتا ہے، جنین کے اعضاء کی نشوونما میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے۔ اگر ایک نیوٹ (NEWT) کی دم کاٹ دی جائے تو اس کی جگہ دوسری دم پیدا ہو جاتی ہے اور اگر دم ابتدا ہی میں کاٹ دی جائے اور ایک تازہ کٹی ہوئی ٹانگ کے بقیہ کے ساتھ جوڑ دی جائے تو دم دم کی شکل میں نہیں بلکہ ٹانگ کی شکل میں نشوونما پانے لگ جاتی ہے کائنات کے مادی اجزاء کا ذکر کر کے ہم اس قسم کے حقائق کی کوئی تشریح نہیں کر سکتے۔ اس لیے ڈریش نے جنین کی نشوونما کی تشریح کرنے کے لیے اس مفروضہ کو بیکار سمجھ کر ترک کر دیا کہ زندگی طبعیات یا کیمیا کے خاص خاص قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم حیاتیاتی رد عمل کو کسی میکاکی نقطہ نظر سے نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی نوعیت ایسی ہے جیسے ایک سوال کا معقول جواب یا ایک گفتگو کا کوئی ایسا حصہ جو کسی دوسرے حصہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ حیاتیاتی رد عمل مکمل حیوان کا رد عمل ہوتا ہے اس کے کسی جزو کا رد عمل نہیں ہوتا۔ ضروری تھا کہ عمل حیات کی تشریح کے لیے کائنات کا ایک اور روحانی یا غیر مادی عنصر تصور کیا جائے، چنانچہ ڈریش نے طبعیاتی کیمیائی نظریہ کو رد کر کے انٹی لیچی (ENTELECHY) کا ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ انٹی لیچی گویا ایک سوچی سمجھی ہونی تجویز ہے جو کسی نہ کسی طرح حیوان کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کی قوت حیوان کی نشوونما کے دوران اس کے ہر ایک حیاتیاتی رد عمل میں نمودار ہوتی ہے۔ حیوان کے اندر ایک مدعا یا مقصد کام کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک مناسب شکل و صورت اختیار کرتا ہے۔ مقصد یا مدعا ایک ایسی خود اختیار تدبیر اور انتظامی قوت شعور ہے

جو حیوان کے مجموعی مفاد کے لیے اس کو ڈھالتی اور بناتی ہے اور جو خود اپنے ارادہ کو بھی اس مفاد کے اقتضا کے مطابق بدلتی ہے۔ ضروری ہے کہ یہ قوت کائنات کے اندر زندگی کی ساری نشوونما اور ارتقاء سے دلچسپی رکھتی ہو۔ برگسان اسی قوت کو قوتِ حیات (VITAL IMPETUS) کا نام دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس قوت میں اور شعور میں کوئی فرق نہیں۔ ڈارلین نے بھی اینٹی لیمبی کا تصور شعور اور نفسیات کے مطالعہ کے لیے استعمال کیا ہے اس کے نزدیک حیاتیات جسم حیوان کی شعوری نشوونما کا مطالعہ ہے۔ حیوان کا کردار جس میں انسان کا کردار بھی شامل ہے، حیوان کی نشوونما سے ملتا جلتا ہے۔ دونوں ایک ہی مقصد یا مدعا کی طرف بڑھتے ہیں جس طرح سے حیوان کی نشوونما کی سمت ایک اینٹی لیمبی سے متعین ہوتی ہے اس طرح اس کا کردار ایک مثال نفسیاتی میلان سے مطمئن ہوتا ہے۔ یہ میلان تازہ خم لینے والے حیوان کی ان مفید حیات حرکات میں نمودار ہوتا ہے جنہیں وہ کسی تجربہ سے نہیں سیکھتا۔ زندگی کے مطالعہ سے اس طرح کے بعض اور حقائق کا بھی پتہ چلتا ہے جو ڈارلین کے نتائج کی تائید کرتے ہیں۔ برگسان نے ان حقائق کو اپنی کتاب ارتقاء کے تخلیقی (CREATIVE EVOLUTION) میں اس بات کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ زندگی کا مخفی محرک یا مدعا ہی رُوئے زمین پر حیوانات کی اولین پیدائش اور پھر رفتہ رفتہ انسان کی بلند تر اقسام کے ظہور اور ارتقاء کا باعث ہوا ہے۔

برگسان کا استدلال

لامارک (LAMARCK) نے حیوانات کے ارتقاء کی وجہ یہ بتائی تھی کہ ضروری ہے کہ ایک زندہ حیوان کی جسمانی بناوٹ ماحول کی کیفیات سے مطابقت پیدا کرے۔ جب یہ مطابقت پیدا ہو جاتی ہے تو حیوان کے جسم میں ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے جو اگلی نسلیں وراثتاً حاصل کرتی ہیں اور چونکہ یہ نسلیں خود بھی مجبور ہوتی ہیں کہ ماحول کے ساتھ جسمانی مطابقت پیدا کریں اس لیے موروثی تغیر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حیوان کی ایک اور نئی قسم وجود میں آ جاتی ہے۔

اول تو یہ نظریہ ان حقائق کے خلاف ہے جو اب اچھی طرح سے ثابت ہو چکے ہیں کہ حیوان کے جسم میں ایک نمایاں تبدیلی آہستہ آہستہ جمع ہونے والی چھوٹی تبدیلیوں کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ فوری طور پر بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ حیوان کے اندر کوئی شعوری یا

غیر شعوری میلان الیسا موجود نہ ہوتی ہے وہ ایک فوری تبدیلی اور اصلاح اختیار کر سکے۔

دوم۔ ماحول کے ساتھ جسمانی بناوٹ کو مطابق کرنے کی ضرورت ارتقاء کے رک جانے کی وجہ سے بن سکتی ہے لیکن اس کے جاری رہنے کی وجہ نہیں بن سکتی۔ جو نہی کہ ایک حیوان کی جسمانی ساخت ماحول کے ساتھ اتنی مطابقت حاصل کر لے کہ وہ اس کی وجہ سے اپنی زندگی کو قائم رکھ سکے تو اس کے مزید بدلنے یا ترقی کرنے کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مطابقت ماحول فی الواقع زندگی کی حفاظت کے لیے عمل میں آتی ہے تو زندگی کی حفاظت کا انتظام ہو جانے کے بعد حیوان کو زیادہ منظم اور ترقی یافتہ اجسام کی طرف ارتقاء نہیں کرنا چاہیے۔ برگسان لکھتا ہے:

”ایک چھوٹا سا جانور زندگی کے حالات کے ساتھ اتنی ہی مطابقت رکھتا ہے جتنا کہ ہمارا جسم کیونکہ وہ اپنی زندگی کو قائم رکھنے پر قادر ہے تو پھر زندگی ایک ایسے جانور کے مقابلے پر پہنچ جانے کے بعد فنا کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر مزید ترقی کے راستے پر گامزن کیوں ہوتی ہے! زندہ حیوانات کے بعض اجسام جو آج دیکھتے ہیں دُور دراز زمانوں سے جوں کے تیل چلے آئے ہیں اور ادوار کے گزرنے سے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ تو پھر زندگی کو آج سے پہلے کسی خاص جسم حیوانی پر جا کر ٹھہر جانا چاہیے تھا لیکن جہاں جہاں ممکن تھا یہ رک کیوں نہ گئی ہے اگر خود اس کے اندر کوئی ایسی قوت محرکہ تھی جو اسے خطرات کے باوجود زیادہ سے زیادہ تنظیم اور ترقی کی منزل کی طرف لے جانا چاہتی تھی تو پھر یہ آگے کسی طرح بڑھتی گئی ہوتی۔“

یہ حقائق اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ شعور مادہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ خود بخود موجود ہے۔ شعور خود ایک بنیادی حقیقت ہے اور مادہ کی خاصیات کا مظہر نہیں۔ اگر شعور اپنی جدِ حقیقت رکھتا ہے تو مادہ کے بے حقیقت ثابت ہونے کے بعد ہم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کائنات کی ساری حقیقت بھی یہی ہے اور مادہ اسی سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ جس طرح سے حیوانات کی مختلف قسمیں عمل ارتقاء سے وجود میں آئی ہیں اس طرح سے مادہ کی موجودہ حالت بھی عمل ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ جو قوت حیوانات کے ارتقاء کا سبب ہے وہی مادہ کے ارتقاء کا باعث بھی ہے۔ لہذا مادہ کی حقیقت بھی شعور ہی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ طبیعاتِ جدید اس نتیجہ کی پُر زور تائید کرتی ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ شعور کی صفات کیا ہیں؟ (جاری ہے)